نظام الملک طوسی: احوال وآثار

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

Khwaja Nizam al-Mulk al-Tusi was a scholar and vizier of the Seljuq Empire. Born in Tus in Persia (modern Iran), and initially serving the Ghaznavid sultans, Nizam al-Mulk became chief administrator of the entire Khorasan province. From 1063, he served the Seljuqs as vizier and remained in that position throughout the reigns of Alp Arslan and Malik Shah I. He left a great impact on organization of the Seljuq governmental bodies. He was pivotal figure who bridged the political gap between both the Abbasids and the Seljuqs against their various rivals such as the Fatimids and the Buyids. Aside from his extraordinary influence as vizier with full authority, he is also well-known for systematically founding a number of schools of higher education in several cities, the famous Nizamia schools, which were named after him. Nizam al-Mulk is also widely known for his voluminous treatise on kingship titled Siyasatnama. He also wrote a book titled Dastur al-Wuzara, written for his son Fakhr-ul-Malik Abu al Fath. Nizam ul-Mulk was assassinated on route from Isfahan to Baghdad on the 10 Ramadhan of 1092 AD. Present article discuss in detail his life and works.

الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد ہائے حکومت کی بلند عمارت جس شخص کے حسن تدبیر سے تعمیر ہوئی اور جس شخص کے قلمدان وزارت نے عمارت کو مختلف النوع نقش ونگار سے آراستہ کیا وہ ان کا وزیر بزرگ نظام الملک طوسی تھا۔ طوس کے اس دہقان زادہ کی قسمت میں کشور علم وفن کی سربراہی اور اہل علم وفن کی سرپرستی لکھی ہوئی تھی۔ خواجہ ابوعلی حسن

بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی، جو تاریخ میں اپنے لقب نظام الملک سے زیادہ معروف ہیں۔ رادکان (۱) کے مقام پر جو طوس (۲) کا ایک نواحی علاقہ ہے جمعہ کے دن ۲۱ ذیقعدہ ۴۰۸ھ/۱۰ اپریل ۱۰۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ (۳) خاندان کے بزرگ درمیانے درجہ کے زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (۴) ان کا دادا اسحاق ناحیہ بیہق کے ایک گاؤں کے دھقان تھے اور باپ علی سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی (۵) کی طرف سے مال گزاری وصول کرنے پر مامور تھے۔ (۶) خواجہ حسن کا شجرہ نسب یہ ہے۔ (۷)

عباس

اسحاق

عبداللہ (فقیہ)   علی

عبدالرزاق شہاب الاسلام   حسن (نظام الملک)

عبدالدوام (وزیر سنجر سلجوقی)

والدہ کا نام زمرد خاتون (۸) تھا۔ جن کو خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ ان کو اپنے بیٹے کا نام رسول اللہ ﷺ کے نواسے کے نام پر حسن رکھنا چاہیے۔ (۹) صبح کو انہوں نے یہ خواب حسن کے باپ خواجہ علی سے بیان کیا تو انہوں نے شکریہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام ''حسن'' رکھا۔ (۱۰) حسن ابھی شیر خوار ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا (۱۱) اور اسی دوران ان کے والد مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئے (۱۲) تاہم ان مشکلات کو خواجہ حسن کی تعلیم میں حارج نہیں ہونے دیا گیا۔

اگر چہ خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت اور شیوخ و اساتذہ کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات مورخین نے قلمبند نہیں کی ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحٰق کے خاندان میں علمی مذاق کافی طور سے موجود تھا۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ حسن کے والد سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں مال گذاری کے مہتمم (صاحب الخراج) تھے۔ لہذا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ حسن کے والد ایک تعلیم یافتہ شخص تھے۔ دوسرے خواجہ علی کے بھائی عبداللہ مشہور فقیہ (۱۳) تھے۔ یعنی خواجہ اسحٰق کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل و کمال تھے۔ اس لیے خواجہ حسن کو پہلے قرآن شریف یاد کرایا گیا۔ (۱۴) گیارہ سال کی عمر میں خواجہ حسن نے حفظ قرآن مکمل کیا۔ (۱۵) خواجہ حسن کے پہلے استاد مشہور فقیہ عبدالصمد قندوجی تھے، جن کا شمار اپنے زمانے کے صلحاء اور علماء میں ہوتا تھا خواجہ حسن نے ابتدائی تعلیم انہی کی نگرانی میں حاصل کی (۱۶)۔ اس کے بعد تحصیل علم کے لیے وطن کو خیر آباد کہا اور نیشا پور کا سفر اختیار کیا۔ چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے: ''علمائے خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے۔ تمام اطراف میں ان کی

شہرت تھی۔فیض کا یہ عالم تھا کہ جس نے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے مقام پر پہنچ جاتا تھا اس لیئے والد بزرگوار نے مجھ کو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کر دیا اور میں امام محترم کے حلقہ درس میں شریک ہوا۔امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا اسی زمانہ میں عمر خیام (۱۷) اور حسن صباح (۱۸) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔یہ دونوں نہایت فہیم اور زکی الطبع تھے اور چونکہ میرے ہم عمر تھے اس لیے میں ان کا ہم درس ہوا اور میرا ربط وضبط ان سے بہت بڑھ گیا۔حلقہ درس سے اٹھ کر میں ان ہی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا''۔(۱۹)

ان ہی دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھ سے کہا: ''یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہنچے تو کوئی ایک ضرور کامیاب ہوگا۔اس لیے ہم تینوں معاہدہ کریں۔میں نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی۔حسن نے کہا ہم میں سے خدا جس کو جاہ وحشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ میں ترجیح دے''۔چنانچہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مہر و دستخط سے مزین ہوا اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔(۲۰)

نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد نظام الملک واپس آئے تو دیکھا کہ گردش ایام کے نتیجے میں باپ کا کام درہم برہم ہو گیا ہے۔(۲۱) خواجہ نے باپ سے اجازت لے کر بخارا (۲۲) کے لئے رخت سفر باندھا۔راستے میں اپنے زمانے کے نہایت مشہور صوفی شیخ ابوسعید ابوالخیر (۲۳) کی مجلس میں حاضر ہوئے۔شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار فرمایا اور مژدہ سنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔جب تک تمہاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہیں گے اس وقت تک تمہاری دولت اور امارت قائم رہے گی اور جب نیکی کے دروازے بند کر دو گے اور حق دار تمہاری مہربانی سے محروم ہو جائیں گے تو وہی زمانہ تمہاری امارت کے زوال کا ہوگا۔اس بزرگانہ نصیحت کے بعد شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کر دیا۔(۲۴) شیخ سے رخصت ہو کر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہنچ کر خواجہ نے اکتساب فنون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کرنے بخارا سے مرو کا سفر اختیار کیا۔(۲۵) مرو سے ماوراء النہر ہوتے ہوئے غزنین پہنچے۔(۲۶) یہ عبدالرشید ابن محمود غزنوی (۲۷) کی حکومت کا دور تھا۔دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے تمام بڑے دفاتر اور شاہی محکمے اسی شہر میں تھے اور دربار کی قدر دانی سے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔اس لیے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا اور اہل کارانِ عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔یہاں خواجہ نے کسی دفتر میں ملازمت اختیار کر لی تھی اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علمِ حساب اور انشاء میں کامل مہارت حاصل ہوئی۔(۲۸) پھر خواجہ نے

غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ لیکن چند روز بعد خراسان کو خیر باد کہہ کر بلخ کا رخ کیا۔(۲۹) اس زمانہ میں چغر بیگ داؤد سلجوقی کی جانب سے ابوعلی احمد بن شاذان (۳۰) بلخ کا گورنر تھا۔ یہاں خواجہ کو عمید بلخ کے میر منشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ خواجہ کو دنیاوی اشغال میں جو جاہ و منصب ملا اس کا پہلا زینہ یہی تھا۔(۳۱)

ابوعلی احمد بن شاذان کے پاس خواجہ کو ملکی و مالی امور کا کافی تجربہ ہوا لیکن خواجہ، ابوعلی سے ناراض اور دل برداشتہ (۳۲) ہو کر بلخ سے فرار ہو کر سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مرو پہنچے۔ چغر بیگ نے خواجہ کو شہزادہ الپ ارسلان (۳۳) کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ ''حسن تمہارا کاتب، مدبر، مشیر اور محاسب ہے تم اس کو اپنے باپ کے برابر سمجھنا''۔(۳۴)

عمید بلخ نے خواجہ کی واپسی کے لئے دربار میں عریضہ بھیجا تو چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا: ''میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شہزادے سے براہ راست درخواست کرنا چاہیے۔''(۳۵) خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ آخر عمر میں ابوعلی احمد بن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔(۳۶)

چغری بیگ کی وفات (۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء) اور طغرل بیگ کی وفات (۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء) کے درمیانی عرصے میں خراسان کا نظم و نسق نظام الملک کے ہاتھ میں رہا۔(۳۷) خراسان میں نظام الملک کو کافی شہرت حاصل ہوئی اور الپ ارسلان اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اسی بناء پر طغرل بیگ کے وزیر ابونصر الکندری (۳۸) جو عمید الملک کے نام سے معروف تھا یہ جان لیا کہ سلطان بننے پر الپ ارسلان اس کے بجائے نظام الملک ہی کو اپنا وزیر بنائے گا۔(۳۹)

طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلان (۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء-۱۰۷۲ء) اس کا جانشین ہوا تو عمید الملک الکندری نے غیر دانشمندانہ طور پر ارسلان کے بھائی سلیمان کو رے کے مقام پر سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن جلد ہی الکندری کو الپ ارسلان کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا اور اسے اپنے عہدے پر قائم رہنے کی یہی صورت نظر آئی کہ الپ ارسلان کے دعویٰ وراثت کو تسلیم کرے(۴۰)۔ جب الپ ارسلان پہلی بار رے میں داخل ہوا تو اس نے الکندری کو منصب وزارت پر بحال رکھا۔(۴۱) لیکن الپ ارسلان اس کے معاندانہ عمل کو بھلا نہ سکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ماہ بعد اسے اچانک معزول کر کے امور سلطنت کا انتظام و انصرام نظام الملک کے حوالے کر دیا(۴۲) اور تھوڑے ہی عرصے بعد الکندری کو مرو بھیج دیا۔ ایک سال قید کے بعد الپ ارسلان نے دو جلادوں کو بھیج کر اسے قتل کرا دیا۔(۴۳) اس معاملے میں نظام الملک کا کوئی ہاتھ نہ تھا کیونکہ اس نے نہ الکندری کو سلیمان کی حمایت پر اکسایا تھا نہ الپ ارسلان کو الکندری کے قتل پر۔

نظام الملک کی بے گناہی یقینی ہے۔(۴۴) رضوان علی رضوی کے مطابق، جن مصنفین نے نظام الملک کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے انہیں غالباً اس پیغام سے غلط فہمی ہوئی ہے جو الکندوری نے نظام الملک کو بھیجا تھا اور جس میں یہ کہا گیا تھا کہ نظام الملک نے اپنے پیشرو کو قتل کرا کے ایک قبیح روایت قائم کی ہے۔''تم نے برطرف شدہ وزیر کو قتل کروا کے دنیا میں ایک شر انگیز اور قبیح دستور کا آغاز کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کاش تم کو بھی یہی تجربہ ہو''(۴۵) لیکن الکندری کا یہ پیغام کسی جائز شک پر مبنی نہ تھا (۴۶) سلطان چغری بیگ نے خواجہ حسن کی قابلیت سے متاثر ہو کر اس کو شہزادہ الپ ارسلان کے پاس اتالیق اور معتمد بنا کر بھیجا تھا۔ وہ جلد ہی الپ ارسلان کا مشیر اور وزیر بن گیا اور پھر اپنے آقا کی تخت نشینی پر اس عظیم سلطنت کا وزیر اعظم ہو گیا۔(۴۷)

براؤن کے الفاظ میں وہ:

"He was a most capable administrator, an acute statesman, a devout and orthodox Sunni, harsh towards heretics, especially the Shiites and Ismailis, a liberal patron of letters, a sincere friend to men of virtue and learning, and unremitting in his efforts to secure public order and prosperity and to promote religion and (۴۸) education."

''لائق ترین منتظم، زیرک سیاستدان، پارسا اور راسخ العقیدہ سنی، بدعتیوں اور خاص طور پر شیعوں اور اسماعیلیوں کے ساتھ سخت رویہ کا حامل، علوم و فنون کا روشن خیال مربی، نیکوکار اور عالم لوگوں کا مخلص دوست اور فلاح عامہ کی خاطر انتھک کوشش کرنے والا اور دین کے فروغ اور تعلیم کی افزائش اور آبیاری میں سخت کوش تھا۔''

وزیر اعظم بننے کے بعد نظام الملک نے جو اولین کام کیے ان میں سے ایک مدرسہ نظامیہ (بغداد) کا قیام تھا۔ (۴۹) اس مدرسہ کی بنیاد جسے نظام الملک کے نام پر نظامیہ کہا گیا۔ ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں رکھی گئی اور اس کی تکمیل ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۷ء میں ہوئی۔ تعلیم کے میدان میں مدرسہ نظامیہ کا قیام بڑا کارنامہ تھا۔ اس درسگاہ نے علمی کارناموں کی تاریخ پر اپنا دوام ثابت کر دیا ہے۔

خانگی زندگی:

خواجہ نظام الملک نے دو شادیاں کیں۔ لیکن تاریخ اس باب میں خاموش ہے کہ ان کی پہلی شادی کب ہوئی، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ مرو کے مقام پر چغری بیگ داؤد کے پاس پہنچے تو ان کے دو بیٹے، مظفر (فخر

الملک) اور عبید اللہ (موید الملک) تھے۔(۵۰) ان کی دوسری شادی ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں گرجیہ سے ہوئی، جو ایک عیسائی حکمران کی بیٹی تھی۔(۵۱)

مولف تاریخ بیہق نے خواجہ کے نو بیٹوں اور چار بیٹیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ:

''این فرزندان جملہ در صدر وزارت نفاذ امر ونہی یافتند''۔(۵۲)

جبکہ راوندی نے خواجہ کے بیٹوں کی تعداد بارہ لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''دوازدہ تن بودہ کہ خواجہ بہ ھر کدام شغلی وولایتی دادہ بود''۔(۵۳)

خواجہ کے بارہ بیٹے تھے اور ہر ایک ولایت رکھتا تھا۔

اس دور اندیش شخص نے وسیع سلجوقی سلطنت کے اہم اور حساس معاملات ان کے سپرد کر رکھے تھے۔ خواجہ کے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلاجقہ اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں بانوے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔(۵۴) بعض بیٹے صوبوں کے عامل اور بعض دوسرے ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔(۵۵) ان کی سیاسی واجتماعی اہمیت کے پیش نظر ہم ان میں سے بعض کا مختصر احوال ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ فخر الملک ابو الفتح مظفر بن نظام الملک

فخر الملک ابو الفتح مظفر، نظام الملک کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں سلطان ملک شاہ کی وفات پر اگرچہ اس کے بیٹے برکیاروق کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ مگر اسے تاج وتخت کے لیے اپنے باغی چچاؤں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ فخر الملک ان دنوں خراسان میں تھا۔(۵۶) جب اس نے اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے برکیاروق کے پاس پہنچنے کی کوشش کی تو ایک اور مدعی تخت وتاج، یعنی برکیاروق کے چھوٹے بھائی محمود بن ملک شاہ کے حامیوں نے حملہ کیا۔ فخر الملک کو ہمدان کی طرف بھاگنا پڑا جس پر اس اثناء میں برکیاروق کے چچا تتش کا قبضہ ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ تتش اس کے قتل کا حکم صادر کر دے، لیکن باغی سیان کی سفارش پر اس کی جان نہ صرف بخش دی گئی، بلکہ تتش نے اسے اپنا وزیر بھی بنالیا۔(۵۷) کچھ عرصے بعد فخر الملک قید خانے میں ڈال دیا گیا اور جب ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں برکیاروق کو فتح ہوئی اور تتش مارا گیا تو اسے رہائی نصیب ہوئی۔(۵۸) اسی سال برکیاروق نے فخر الملک کے بھائی موید الملک کو برطرف کر کے فخر الملک کو اپنا وزیر بنالیا۔ ۴۹۰ھ میں برکیاروق نے اسے معزول کر دیا تو وہ اس کے بھائی سنجر کے ہاں چلا گیا، جس کا قیام خراسان کے والی کی حیثیت سے نیشاپور میں تھا۔ دس سال تک سنجر کے ہاں وزارت کی ذمہ داری بخوبی انجام دی۔ محرم ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں ۶۶ برس کی عمر میں اسے ایک فدائی نے قتل کر دیا۔(۵۹)

۲۔ موید الملک ابوبکر عبید اللہ بن نظام الملک

مویدالملک نظام الملک کا دوسرا بیٹا تھا۔ نظام الملک کے بعد مویدالملک کا شمار آل سلجوق کے بڑے وزراء میں ہوتا ہے۔ نظم ونثر اور بلاغت میں یگانہ تھا۔ نظام الملک کی زندگی میں ہی اس کے نمائندے کے طور پر بغداد گیا۔ آخر میں دیوان طغرا کی خدمت سپرد ہوئی۔ (۶۰) اپنے بھائی عزالملک کے معزول ہونے کے بعد برکیاروق کی وزارت حاصل کی۔ (۶۱) ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں برکیاروق نے اسے معزول کر کے اسکے بھائی فخرالملک کو وزارت عطا کردی۔ (۶۲)

۳۔ جمال الملک، منصور بن نظام الملک

جمال الملک کو بلخ اوراس کے نواح کی حکومت ملی۔ رجب ۴۸۵ھ میں اسے ملک شاہ کے اشارہ پر نیشاپور میں قتل کر دیا گیا۔ (۶۳) جمال الملک کا قتل ملک شاہ سے نظام الملک کی آزردگی کا سبب بنا۔ (۶۴)

۴۔ عزالملک، ابوعبداللہ حسین بن نظام الملک

عزالملک، فخرالملک اور مویدالملک سے چھوٹا تھا۔ خواجہ کی حیات میں دولت خوارزم کے تمام اموراس کے سپرد تھے۔ خواجہ کے قتل اور ملک شاہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل اصفہان آیا۔ برکیاروق اور ترکان خاتون کی کشمکش کے سبب غلامان نظامیہ اس کے ہمراہ تھے۔ ۴۸۶ھ میں برکیاروق نے اسے وزارت تفویض کی لیکن اہلیت وصلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اسے تھوڑے ہی عرصے بعد معزول کر دیا۔ (۶۵) تتش بن الپ ارسلان کے ساتھ برکیاروق کی جنگ میں برکیاروق کے ساتھ موصل کا سفر کیا جہاں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا جنازہ بغداد لایا گیا اور مدرسہ نظامیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ (۶۶)

۵۔ عمادالملک، ابوالقاسم بن نظام الملک

برکیاروق کے چچا کا وزیر رہا ارسلان ارغون کے ہاتھوں شکست کھائی، گرفتار ہوا اور ۴۹۰ھ میں قتل کیا گیا۔ (۶۷)

۶۔ شمس الملک، عثمان بن نظام الملک

اپنے والد کے آخری دور میں مرو پر حکومت کی اور ایک عرصہ تک سلطان سنجر کا وزیر رہا۔ ۵۱۷ھ میں قتل ہوا۔ (۶۸)

۷۔ ضیاءالملک، قوام الدین ابونصر احمد بن نظام الملک:

معروف بہ نظام الملک ثانی، حالات سے دل گرفتہ ہو کر ہمدان میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک ۵۰۰ھ میں سلطان محمود سلجوقی نے سعدالملک ابوالمحاسن کو معزول کر کے ابونصر کو وزارت پہ فائز کیا اور قوام الدین، نظام الملک اور صدرالسلام کے القاب سے نوازا۔ (۶۹)

محرم ۵۰۳ھ میں ضیاء الملک بغداد میں اسماعیلیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا، لیکن کچھ عرصے بعد صحتیاب ہوگیا۔ (۷۰)۵۰۴ھ میں اسے وزارت سے معزول کردیا گیا۔(۷۱)ابن اثیر نے ۵۱۶ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ چونکہ سلطان محمود سلجوقی خلیفہ مسترشد عباسی (۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء۔۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) کے وزیر جلال الدین بن صدقہ (۷۲) کی معزولی سے آگاہ تھا اس لیے خلیفہ سے درخواست کی کہ ابونصر احمد بن نظام الملک کو وزارت تفویض کی جائے۔ خلیفہ نے درخواست قبول کی اور اسی سال شعبان میں وزارت تفویض کردی۔(۷۳) یہاں تک کہ ۵۱۷ھ میں سلطان محمود نے احمد بن نظام الملک کے بھائی شمس الملک عثمان بن نظام الملک کو قتل کردیا۔(۷۴) اور خلیفہ نے اسے وزارت سے معزول کردیا۔ ابونصر احمد بن نظام الملک مدرسہ نظامیہ بغداد میں اقامت گزیں ہوگیا۔۵۴۴ھ میں ابونصر احمد بن نظام الملک کا انتقال ہوا۔(۷۵)

۸۔ بھاء الملک ابوالفتح عبدالرحیم بن نظام الملک

ابوالفتح عبدالرحیم نے اپنے بھائی عز الملک کی دورِ وزارت میں دیوان طغرا میں خدمات انجام دیں۔ ۴۸۷ھ میں عباسی خلیفہ مقتدی کے انتقال پر مستظہر عباسی کی مراسم بیعت میں شریک ہوا۔(۷۶)

۹۔ امیر منصور بن نظام الملک

مولف تاریخ بیہق، منصور بن نظام الملک کو خواجہ کا نواں اور آخری بیٹا شمار کرتا ہے۔ اس نے ری میں اقامت اختیار کی۔(۷۷)

۱۰۔ ابوالبرکات عماد الدین (۷۸)

۱۱۔ علی بن نظام الملک: (۷۹)

بیٹیاں:

خواجہ نظام الملک کی چار بیٹیاں تھیں۔ جن کے بارے میں مولف تاریخ بیہق نے لکھا ہے کہ: ایک بیٹی امیر محمد فرانی کے نکاح میں تھی، ایک سید اجل رے کے نکاح میں، ایک امیر ابوالحسن کے نکاح میں اور ایک پسر عزیز جوین کے نکاح میں۔(۸۰)

دامادانِ خواجہ:

ا۔ عمید الدولہ بن فخر الدولہ بن جہیر:

خلفائے عباسی کا وزیر تھا۔ خواجہ نظام الملک ہمیشہ عظیم اوصاف سے اسکی صفت بیان کرتا تھا اور اسے کفایت کرنے والے تیز فہم کی نظر سے دیکھتا تھا اور اہم امور میں اس کی رائے لیتا تھا۔(۸۱) خواجہ نظام الملک نے ۴۶۲ھ میں اپنی

بیٹی زبیدہ کی اس سے شادی کی۔وزارت سے معزول ہو گیا تھا، دامادی کے باعث دوبارہ وزارت ملی(۸۲)۔۴۹۳ھ میں اسکا انتقال ہوا۔(۸۳)

۲۔ثقۃ الاسلام ابومسلم سروشیاری:

ابومسلم سروشیاری رے کا رئیس تھا۔۴۸۵ھ میں ابومسلم نے برکیاروق کو پناہ دی اور خود اپنے ہاتھ سے برکیاروق کے سر پر تاج رکھا۔۴۹۴ھ میں ابومسلم ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوا۔(۸۴)

۳۔سید الرؤسا ابوالمحاسن:

ابوالمحاسن ملک شاہ کا ندیم خاص، رازدار، اور تمام امراء سے زیادہ مقرب تھا۔خواجہ نظام الملک سے حسد کرتا تھا۔خواجہ نے ابوالمحاسن کی کدورت دور کرنے کے لیے اپنی ایک بیٹی کی شادی اس سے کردی تھی۔لیکن ابوالمحاسن برابر نظام الملک کو نقصان پہنچانے اور ملک شاہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتا رہا۔(۸۵)

۴۔ابوالھیجاء مقاتل بن عطیہ البکر ی الحجازی:

لقب شبل الدولۃ، یہ امرائے عرب کی اولاد سے تھا۔بھائیوں سے اختلاف ہونے پر انہیں چھوڑ کر بغداد پہنچا پھر خراسان چلا گیا وہاں سے غزنی پہنچا اور پھر خراسان واپس آ گیا۔خواجہ نظام الملک کے خواص میں شامل ہوا اور اس کا داماد بن گیا۔(۸۶) ۵۰۵ھ میں مرو میں اس کا انتقال ہوا۔(۸۷)

اوصاف وکمالات:

بحیثیت فقیہہ:

نظام الملک کو مدبر وزیر ہونے کی حیثیت سے ناموری حاصل ہوئی لیکن اسے دین میں فقاہت بھی حاصل تھی۔ طبقہ علماء میں وہ وزارت سے زیادہ فقاہت کے لیے مشہور تھا۔اس کے عدالتی فیصلوں میں فقہ کی روشنی پائی جاتی تھی۔(۸۸)

ابن اثیر کے بیان کے مطابق:

''کان مجلسہ عامراًبالقراء، والفقہاء، وائمۃ المسلمین، واھل الخیر والصلاح (۸۹)

یعنی خواجہ کی مجلس قراء، فقہاء، آئمۃ المسلمین اور اہل خیر وصلاح سے سے بھری رہتی تھی۔

بحیثیت محدث:

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا۔(۹۰) ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے

ہیں:

وسمع نظام الملک الحدیث واسمعہ وکان یقول انی لا اعلم انی لست اھلا لذلک ولکنی ارید اربط نفسی فی قطار النقلۃ الحدیث رسول اللہ ﷺ۔(۹۱)

ابن خلکان کی یہ شہادت خواجہ کے محدث ہونے کی دلیل ہے۔اور چونکہ خواجہ رسول کریم ﷺ سے دلی عقیدت رکھتا تھا اس لیے بمقتضائے ادب کہتا ہے کہ ''بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاؤں۔''

طبقات الکبری کی روایت کے مطابق خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثیں سیکھیں۔

اصفہان: محمد بن علی میریزد الاریب۔ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع

نیشاپور: استاذ ابوالقاسم قشیری

بغداد: ابوالخطاب بن البطر وغیرہ

مذکورہ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دارالخلافت بغداد میں مجالس حدیث سے فائدہ اٹھایا(۹۲)

بحیثیت ادیب:

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے۔البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر موجود ہے۔جو خواجہ کے فضل وکمال کی یادگار ہے۔(۹۳) عبدالرزاق کانپوری نے خواجہ کے دو خط نقل کیے ہیں جو خواجہ نے اپنے بیٹوں موید الملک اور فخر الملک کو لکھے تھے۔یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ اس کے دین داری اور اخلاق وعادات کا بھی آئینہ ہیں کہ جس سے ہر خال وخط نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔(۹۴)

شاعری:

خواجہ نظام الملک کا اپنا دربار بھی لگتا تھا دربار شاہی میں جو شعراء قصیدہ خوانی کرتے تھے وہ نظام الملک کے دربار سے بھی وابستہ تھے۔(۹۵) امیر معزی (۹۶) نظام الملک کی مدح میں چند قصائد کہے (جو مجمع الفصحاء ج ۱، ص ۵۷ بعد میں درج ہیں) حکیم لامعی (۹۷) ملقب بہ بصر المعانی نے متعدد قصیدے خواجہ کی مدح میں کہے۔(۹۸) البتہ نظام الملک کی مجلس میں جس قدر انعام واکرام صوفیا اور علماء کے حصہ میں آیا اس کے مقابلے میں شعراء اس سے منزلوں دور رہے۔(۹۹)

صاحب چہار مقالہ، نظام عروضی سمرقندی نے لکھا ہے کہ نظام الملک شاعروں کو پسند نہیں کرتا تھا۔کیونکہ وہ خود

شعری ذوق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ علماء اور مشائخ سے قریبی تعلقات استوار رکھتا تھا۔(۱۰۰) شعروشاعری سے نظام الملک کی زیادہ دلچسپی کا نہ ہونے کا ایک سبب تو یہی ہے کہ طبعی مذاق نہ تھا دوسرے بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی جس نے طبیعت کو شعروسخن کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔(۱۰۱) تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے نابلد نہ تھا۔ کثیر تعداد میں شعراء جو نظامیہ بغداد میں مختلف خدمات پر مامور تھے، اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوتے تھے۔(۱۰۲) معین الدین طمطرانی، جو مدرسہ نظامیہ میں عرصہ دراز تک درس دیتے رہے تھے، خواجہ کی مدح میں قصیدہ ''ذوقافیتین'' بزبان عربی لکھا جو صنائع بدائع کا مجموعہ ہے۔(۱۰۳)

تصانیف:

مشہور زمانہ کتاب ''سیاست نامہ'' (یاسیر الملوک) اور ''کتاب الوصایا'' (یا دستور الوزراء) نظام الملک کی علمی یادگار ہیں۔ ایک سفر نامہ بھی خواجہ نے لکھا تھا، جس میں اس سفر کے حالات تحریر تھے جو خراسان سے براستہ ماوراءالنہر کابل تک کیا گیا۔ یہ اب ناپید ہے۔(۱۰۴)

(الف) سیاست نامہ؛ سیاست نامہ تاریخ اور فن حکومت اور فن نظمیات پر ایک بسیط عالمانہ مقالہ ہے۔ یہ کتاب خواجہ نے اپنی وزارت کے آخر زمانہ میں یعنی انتقال سے ایک سال قبل ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں مکمل کی۔(۱۰۵) وجہ تصنیف دیباچہ میں یوں بیان کی ہے کہ: ''۴۸۴ھ میں سلطان سعید ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ما بدولت کے عہد سلطنت پر غور کریں اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کا نہیں ہے۔ اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں اور وہ کیا حالات ہیں کہ مجھ پر مخفی ہیں اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں وہ کیا تھے؟ غرضیکہ شاہان سلجوق کے تمام رسوم ورواج اور آئین قلمبند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور کامل ان قوانین کے اجراء کا حکم دیا جائے جس سے دین ودنیا کے سب کام درست ہو جائیں اور ساری خرابیاں دور ہوں۔ جب کہ خدائے برتر نے مجھ کو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے اور تمام نعمتیں بخشی ہیں۔ اور میرے دشمنوں کو پامال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام ما بدولت کا ناقص نہ ہونا چاہیے اور نہ مجھ سے کچھ چھپایا جائے۔''(۱۰۶)

سلطان کا روئے سخن نظام الملک، شرف الملک، مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ ان امراء میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھ کر ملک شاہ کے حضور پیش کیا۔ مگر ملک شاہ کو صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جس کی نسبت سلطان نے فرمایا کہ:

''یہ کتاب نہایت جامع ہے اور آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔''(۱۰۷)

سیاست نامہ پچاس فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے شروع میں اس کتاب کی انتالیس فصلیں تھیں۔ بعد میں پیروان مزدک، فرقہ باطنیہ، قرامطہ، ملاحدہ کی طرف سے خلاف اسلام اور تفریق پسندی کے خطرات متوقع ہوئے تو نظام الملک نے ان کے سد باب کے لیے گیارہ فصلیں اور لکھ کر کتاب میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ سیاست نامہ پچاس ابواب پر مشتمل ہے جن میں شاہی اختیارات اور فرائض کے ساتھ ساتھ سلطنت کے تمام سرکاری شعبوں کے انتظام وانصرام سے بحث کی گئی ہے۔

سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآن، حدیث اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ مشاہیر اسلام کے ذکر اور حوالوں کے ساتھ ساتھ ساسانی بادشاہوں وزیروں اور اصحاب الرائے کا بھی تذکرہ چلتا رہتا ہے۔ اہم نکات کی وضاحت کے لیے تاریخی قصے اور لطائف کی کثیر تعداد ہے۔ سیاست نامہ میں نظام الملک نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ سیاسی کامیابی کے عوامل کیا ہوتے ہیں، ریاست کس طرح استوار ہو سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلطنت سلجوقیہ کی اہم اور خاص ضروریات کیا ہیں۔ نظام الملک کی سیاسی فکر کو سمجھنے کے لئے سیاست نامہ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔(۱۰۸) اس نے سیاست نامہ ''اللہ'' کے نام سے شروع کر کے ''واللہ اعلم بالصواب'' پر ختم کیا ہے۔ وجودِ باری کا یہ احساس نظام الملک کی تمام فکر میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ عدل، فیاضی اور اخلاق کے تمام تصورات کا ماخذ یہی ہے۔(۱۰۹)

رضوان علی رضوی کے مطابق ''سیاست نامہ دنیا کی پہلی کتاب ہے جس میں سفیر کے خفیہ کاموں سے مکمل اور کھلی بحث کی گئی ہے۔ سلجوقی سفارتی پالیسی اور دستور وضع کرنے میں جن پیچیدہ مخفی عوامل کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا، ان کو سمجھنے میں اس کتاب سے بہت مدد ملتی ہے۔ نظام الملک سفارت کو بین المملکتی تعلقات میں مصلحت جوئی اور صلح پسندی اور ترغیب و تحریص کا فن گردانتا ہے۔ اس میں شاہی رسوم اور بادشاہ کے ذاتی اخلاق سے پیدا ہونے والے تاثر سے بڑی مدد ملتی ہے۔(۱۱۰)

آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں کہ: سیاست نامہ ہر معیار پر اعلیٰ ترین تصنیف کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بالغ نظری اور وسیع تجربہ کا مرقع اور مصنف کی شخصیت کا پرتو ہے، اداروں، سیاسی اخلاقیات، تاریخی لطائف اور معاشرہ اور مملکت کے معاملات پر اسلامی تعلیمات کے اطلاق کے فہم کے اعتبار سے ایک دائرۃ المعارف ہے۔ مزید برآں اس کی نثر ماہرانہ ہے۔ لہجہ خاصا سخت ہے جس میں تصنع یا عدم خلوص نہیں جھلکتا بلکہ سادہ اور راست ہونے کے باوجود اپنے آہنگ اور گونج کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا فن پارہ ہے جو غیر محسوس طور پر سبک اور لطیف ہونے کے باوجود قوی اور پرکشش ہے۔''(۱۱۱)

سیاست نامہ میں مختصر سے ابتدائیے اور دیباچے کے بعد قانون سلطنت کے حسب ذیل موضوع آتے ہیں:

بادشاہ اور رعایا کے فرائض، بادشاہ کا رعایا سے سلوک، بادشاہوں کے لیے نعمت خداوندی کی قدر شناسی، عدل و انصاف وزراء اور عمال کی نگرانی، تاجر اور کاشت کاروں کے تعلقات، قاضی اور خطیب اور محتسب کے فرائض، عالمانہ عہدیداروں کی نگرانی، شریعت کی پیروی، نظارت، محکمہ وقائع نگاری، محکمہ جاسوسی، ہرکاروں کی تقرری، وکیل خاص، ندیم و مصاحب، فوج خاصہ، فرامین و احکام شاہی کی عظمت، عقلاء و حکماء سے مشاورت، سفارت، قاعدہ تقسیم تنخواہ افواج، دربار خاص و عام، صاحبان جاگیر و منصب، خدمت گاروں سے سلوک، عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات، خطاب والقاب، بیگمات شاہی کے اختیارات، لکل عمل رجال، خزانہ، فیصلہ مقدمات، مداخل و مخارج وغیرہ۔ غرض یہ کہ حکومت اور عوام کے بعد جو حقوق ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ان کی صحیح تفسیر ان اوراق میں موجود ہے۔ (۱۱۲)

کتاب الوصایاء:

کتاب الوصایا جسے ''دستور الوزراء'' بھی کہا جاتا ہے۔ کثیر الفوائد مضامین کا مجموعہ ہے اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے مگر مضامین سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی وزارت کے آخر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ (۱۱۳) اس میں روئے سخن فخر الملک کی طرف ہے جو خواجہ کا عزیز ترین فرزند تھا۔ جس کی نسبت خواجہ یہ چاہتا تھا کہ فخر الملک وزارت کا منصب منظور نہ کرے۔ وصایا ایک ابتدائیہ، ایک مقدمہ اور دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہیں۔ پہلی فصل میں خواجہ نے ان خطرات کا ذکر کیا ہے جو وزیر سلطنت کو پیش آسکتے ہیں اور جن کے سبب وزارت کا قبول نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (۱۱۴) لیکن نظام الملک کو یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے کہ فخر الملک وزارت کا منصب قبول کرلے (جیسا کہ بعد میں ہوا بھی) اس لیے دوسری فصل میں وزارت کی ذمہ داریوں اور وزیر کے فرائض منصبی سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی شرائط بیان کی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں۔ مقدمات میں عدل، بادشاہ کی رضامندی، ولی عہد اور دوسرے شہزادوں کی رضامندی، عمال دفتر سے تعلقات اور خطرات، اسباب و فرائض وزارت، احکام الٰہی کی تعمیل، اتفاقات حسنہ، بادشاہ کی اطاعت، رعایت بیگمات، رعایت ملازمان شاہی، رعایت اہل سیف و علم، خلائق عامہ کی نگہداشت وغیرہ (۱۱۵) دستور الوزراء میں نظام الملک نے موقع و محل کی مناسبت سے جا بجا تاریخی حکایات بھی بیان کی ہیں۔ جو اس کی بات کو مستحکم کرتی ہیں۔ (۱۱۶)

اخلاق وعادات:

خواجہ نظام الملک سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل وانصاف، بے تعصبی (۱۱۷) فیاضی، شجاعت، رحم، علم و عفو میں اپنی مثال آپ تھا۔ نظام الملک کے اپنے ذاتی ملازمین اکثر غلطیاں کیا کرتے تھے اور وہ بالعموم ان کو معاف کر دیتا تھا۔ خواجہ کا یہ برتاؤ عام تھا۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

''کان عالماً دیناً جواداً عادلاً حلیماً کثیراً الصفح عن المذنبین۔'' (۱۱۸)

جب نظام الملک اور تاج الملک ابوالغنائم ابن دارست کے درمیان نفرت اور حسد کی دیوار حائل ہوئی، تو تاج الملک نے ابن الھباریہ (۱۱۹) سے وعدہ کیا کہ اگر وہ نظام الملک کی ہجو کہے گا تو اسے اس پر نظر عنایت کے ساتھ ساتھ معقول نقد انعام بھی دیا جائے گا۔ ابن الھباریہ نے جواب دیا کہ ''میں ایسے شخص کی ہجو کس طرح کر سکتا ہوں، میرے گھر کی ہر چیز جس کی رہین منت ہے''۔ تاج الملک نے کہا: میں تعمیل چاہتا ہوں۔ اس پر ابن الھباریہ نے یہ اشعار کہے:

لا غرو ان ملک ابن اسحاق و ساعده القدر

وصفت له الدنیا وخص ابوالغنائم بالکدر

فالدھر کالدولاب لیس یدور الا بالبقر (۱۲۰)

''اس پر تعجب نہ کرو کہ ابن اسحاق حکومت کرتا ہے اور تقدیر اس کا ساتھ دیتی ہے۔ مرفع الحالی اس کے لیے مصفا اور ابوالغنائم کے لیے گدلی ہے، تقدیر تو ریت کی طرح ہے جو صرف بیل ہی گھما سکتے ہیں۔''

جب یہ اشعار نظام الملک کو سنائے گئے تو اس نے محض اتنا کہا کہ ان اشعار میں ایک عام ضرب المثل کی طرف اشارہ ہے کہ طوس کے لوگ بیل جیسے ہوتے ہیں۔ خواجہ نے نہ صرف یہ کہ اس گستاخی پر شاعر کو کوئی سزا نہ دی بلکہ اور زیادہ مہربانی سے پیش آیا۔

نظام الملک کا یہ روز کا معمول تھا کہ ہر صبح فقراء اور ضرورتمندوں میں سو دینار تقسیم کیا کرتا تھا۔ (۱۲۱) نظام الملک کے دستر خوان پر ہمیشہ گداگر اور مفلس ہوتے تھے جو نظام الملک کے نزدیک بیٹھتے تھے۔ (۱۲۲)

فقیہ ابوالقاسم کا بیان ہے کہ ایک رات وہ نظام الملک کا مہمان تھا۔ جب دستر خوان چنا گیا تو وہ بھی شریک طعام ہوا۔ نشستوں کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ ایک طرف نظام الملک بیٹھا تھا اور دوسری طرف عمید نامی ایک صاحب حیثیت شخص تھا۔ اور عمید کے برابر ایک مفلوک الحال گداگر بیٹھا تھا جس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا۔ جب گداگر نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو عمید کو ناگوار گزرا۔ جب نظام الملک نے عمید کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو اس نے گداگر کو بلا کر اپنے پہلو میں جگہ دی اور اس گداگر کے ساتھ شریک طعام ہوا۔ (۱۲۳)

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اس کی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ (۱۲۴) امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری جب خواجہ کے دربار میں تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔ (۱۲۵) اسی طرح جب شیخ ابوعلی فارمذی خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھ کر ادب سے گفتگو

کرتا تھا۔(۱۲۶)نظام الملک کے دربار میں شیخ ابواسحٰق فیروزآبادی کو خاص مقام حاصل تھا۔اہم معاملات میں خواجہ نظام الملک اکثر شیخ ابواسحٰق فیروزآبادی سے مشورہ کیا کرتا تھا۔(۱۲۷)

اگر چہ خواجہ نظام الملک کے دروازے پر معمولاً حاجب و دربان بھی مقرر تھے مگر ان کو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے اور نہ کوئی خالی ہاتھ واپس جائے۔(۱۲۸)

خواجہ نظام الملک نے اپنے انتیس سالہ دور وزارت میں رفاہِ عامہ کے کاموں کو بہت ترقی دی،حکومت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانے پر کام جاری رہتا تھا،لیکن بحیثیت وزیراعظم،نظام الملک نے اپنی جاگیر سے بھی اس مد میں لاکھوں دینار صرف کیے۔

ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں مساجد اور شفاخانے بنوائے۔(۱۲۹)اس کی تعمیر کردہ سرائے بغداد اور شفاخانہ نیشاپور کی بڑی شہرت تھی۔یہی حال مدارس کا تھا۔اس نے تمام بڑے شہروں میں مدارس کی بنیاد رکھی۔(۱۳۰)نظام الملک نے مکہ معظّمہ کے راستوں میں جو خطرات اور دشواریاں تھیں انہیں دور کرکے پرامن بنادیا۔حجاج اور زائرین کی سہولت کے لیے متعدد انتظامات کیے۔ان کے قیام کے لیے مکانات تعمیر کرائے اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کیے۔(۱۳۱)

یہاں ہم امام الحرمین جوینی کا وہ بلیغ خطبہ نقل کرتے ہیں جو نظام الملک کے اوصاف وکمالات پر دلیل ہے اور اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک نظام الملک کا کیا مقام تھا:

" سید الوری و مؤید الدین و الدنیا. ملاذالامم. متخدم للسیف والقلم. ومن ظل ظل الملک بیمن مساعیه ممدودا. ولواء النصر معقودا. فکم باشراوزار الحرب. وادار وحی الطعن والغرب . فلایده ارتدت . ولا طلعته البهیة اربدت. ولا غرمة انثنی. ولا حده فنی. قدسدت مسالت المهالک صوارمه. وحصنت الممالک صرائمه. وحلت شکائم العری عزائم. وتحصنت المملکة بنصله. وتحسنت الدنیا بافضاله وفضله. وعم بر. آفاق البلاد. ونفی الغی عنها بالرشاد. وجلی ظلام الظلم عدله. وکسر قفار الفقر بذله. وکانت خطة الاسلام شاغرة و أفواه الخطوب الیها فاغرة. فجمع الله برأیه الثاقب شملها. ووصل بیمن هیبة حیلها. و أصبحت الرعایا فی رعایته والسیف یفخر فی یمینه یرجوه الابس البائس فی ادراج أیته . ویرکع له تاج کل شامخ بعرینه. ویهابه

اللیث المرتجن فی عرینه. (۱۳۲)

''سردارِ خلق وبشر، دین ودنیا کا حامی ومویّد، قوموں کی پناہ گاہ، صاحب سیف وقلم، اس نے اپنی کوششوں سے بادشاہ کے سائے کو خوب پھیلا دیا اور فتح ونصرت کا پرچم لہرا دیا۔ اس نے بارہا جنگوں کے بوجھوں کو براہِ راست برداشت کیا۔ اس نے نیزہ وشمشیر زنی کی چکی کو گھمایا تو نہ تو اس کا ہاتھ کانپا اور نہ ہی اس کی روشن جبین شکن آلود ہوئی، نہ اس کے عزمِ راسخ میں کوئی کمی آئی۔ ارادوں کی پختگی نے ملکوں کی حفاظت کی۔ اس کے عزائم (پختہ ارادوں) نے رکاوٹوں کے بند کھول دیے، اس کے نیزے کی انّی نے مملکت کو تحفظ فراہم کیا۔ دنیا اس کے فضل وکرم سے خوب تر ہوگئی۔ اس کی نیکی ملک کی سرحدوں تک عام ہوگئی۔ اس نے اپنی ہدایت وراہنمائی سے سرکشی کو دیس نکالا۔ اس کے عدل نے ظلم کی تاریکی کو کافور کر دیا۔ اس کی سخاوت نے غربت وافلاس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ سرزمینِ اسلام بلا محافظ تھی اور مصائب وحوادث نے اس کی طرف اپنے منہ کھول رکھے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اس (نظام الملک) کی عمدہ رائے کی بدولت اس کا شیرازہ مجتمع کر دیا۔ اس نے اپنی ہیبت کی برکت سے سرزمینِ اسلام کو متحد کر ڈالا۔ رعایا اس کے زیرِ سایہ امن واطمینان سے رہنے لگی۔ حادثات کی آنکھیں مملکتِ اسلامیہ کے بارے میں سو گئیں۔ دین اس کے چہرے کی لکیروں اور اس کی درخشاں جبین پر اتراتا ہے۔ تلوار اس کے داہنے ہاتھ پر فخر کرتی ہے۔ مایوس وغمزدہ شخص اپنی آہوں اور سسکیوں میں اس سے امید رکھتا ہے۔ اپنی اونچی ناک پر ہر فخر کرنے والے کا تاج اس کے حضور جھک جاتا ہے۔ اپنی کچھار میں بپھرا ہوا شیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔''

سبکی یہ خطبہ نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''اگرچہ اس تعریف میں کسی قدر مبالغہ پایا جاتا ہے۔ تاہم اس امام جلیل کی جانب سے نظام الملک کی یہ تعریف وتوصیف اور مدح وستائش اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ اس عظیم عالمِ دین کی نظر میں نظام الملک کا مقام ومرتبہ کتنا بلند تھا۔ یاد رہے کہ امام الحرمین کی تحریرات وکلمات سے متقدمین ومتاخرین دلائل اخذ کرتے ہیں اور ان کے کلام کو حجت سمجھتے ہیں۔ آپ ہی سے اصول وفروع میں شریعت الٰہیہ کو فروغ ملا۔'' (۱۳۳)

اسباب قتل خواجہ نظام الملک:

خواجہ نظام الملک کے قتل کے حوالے سے یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ کا ایک فدائی تھا۔ تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے کس کے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا؟

مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ''خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔'' دوسرا اس کا قائل ہے کہ ''تاج

الملک ابو الغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے۔'' تیسرا راوی ہے کہ ''حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا''(۱۳۴)

طبقات الکبری کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں ملک شاہ سے، خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی۔ ملک شاہ کے ایک ندیم خاص اور نظام الملک کے داماد سید الرؤسا ابو المحاسن محمد نے شکایت کی کہ نظام الملک نے سلطنت میں بڑے بڑے غبن کیے ہیں اور مال و دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے۔(۱۳۵) اور یہ پیشکش کی کہ اگر نظام الملک کو اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ شاہی خزانے میں دس لاکھ دینار جمع کر دے گا۔ ملک شاہ نے اس الزام پر کوئی توجہ نہ دی، تاہم نظام الملک کو جب کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع ملی تو اس نے پہلے اپنے کئی ہزار ترک غلاموں کو ہتھیار اور گھوڑے دے کر مسلح کیا۔ جب یہ ترک سوار فوج تیار ہو گئی تو نظام الملک نے ملک شاہ کی ضیافت کی۔ ضیافت کے بعد جب ملک شاہ رخصت ہونے لگا تو رسم کے مطابق نظام الملک نے بیش بہا تحائف نذر کیے اور اس کے بعد سلطان کو تازہ تیار کی جانے والی سپاہ غلاماں کا معائنہ کرنے کی درخواست کی۔ جب سلطان نے معائنہ کے بعد پسندیدگی کا اظہار کیا تو وزیر نے کہا: ''اے سلطان! میں نے آپ کی اور آپ کے والد کی خدمت کی ہے۔ میرے آپ پر بہت سے حقوق ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے اور علاوہ اس کے بڑی رقوم خیرات بھی کی ہیں۔ ان اخراجات کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی شہرت اور شان و شوکت میں اضافہ ہو اور آپ کو آخرت میں خیرات کا ثواب بھی ملے۔ اس وقت میری تمام دولت اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔''(۱۳۶)

اس کے بعد نظام الملک نے اپنے معتمد کو حکم دیا کہ ''ان غلاموں کے ناموں کا سلطان کے سپاہیوں کی فہرست میں اندراج کیا جائے۔ مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑے رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے۔''(۱۳۷) نظام الملک کی اس گفتگو سے سلطان کے ذہن میں جو شبہات بھی تھے دور ہو گئے اور اس نے حکم دیا کہ ''ابو المحاسن کو اندھا کر کے قلعہ سادہ میں قید کر دیا جائے۔''(۱۳۸)

اگرچہ ابو المحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے نظام الملک سے باز پرس نہیں کی تھی لیکن یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سلطان کے دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔(۱۳۹)

مؤید الملک کی معزولی:

جب نظام الملک کے بیٹے مؤید الملک کو دیوان الانشاء (۱۴۰) کی خدمت سپرد ہوئی تو اس نے اپنے نائب ابو المختار زوزنی کو موقوف کر کے استاد اسمٰعیل اصبہانی کو مقرر کیا۔ ابو المختار ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ابو المختار دفتر

انشاء کا قدیم اہلکار تھا اور سلطان اس کے فضل وکمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر کے ساتھ ابوالمختار کو مؤید الملک کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کو کسی خدمت پر مامور کردو مگر مؤید الملک نے پروانہ کی۔ ملک شاہ نے اس گستاخی پر مؤید الملک کو معزول کر کے ابوالمختار کو دیوان الانشاء کا افسر مقرر کر دیا اور کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔ (۱۴۱) یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ کے ماتحت عملہ میں ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

نظام الملک کو اپنے دورِ وزارت میں بہت سی سیاسی جنگیں لڑنی پڑیں۔ اس کے اقتدار پر نہ صرف حسن بن صباح نے متصرف ہونے کی کوشش کی، بلکہ بعد میں تاج الملک، شرف الملک، مجد الملک اور سلطان ملک شاہ کی پہلی اور محبوب بیوی ترکن خاتون (۱۴۲) نے بھی اس کے اقتدار کو چیلنج کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظام الملک کی زندگی کے آخری سال پر از ملال تھے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تینوں اشخاص شرف الملک، تاج الملک اور مجد الملک، ترکن خاتون کو پسند تھے۔ ابوالغنائم ابن دارست جو پہلے ترکن خاتون کا محض ایک پرائیویٹ سیکریٹری تھا، تاج الملک کے خطاب سے سرفراز ہو کر اب وزارت عظمٰی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ان سب نے نظام الملک کے خلاف شکایات سلطان کی خدمت میں پہنچانی شروع کر دیں۔ بالاخر ان تینوں کو سلطان اور نظام الملک کے درمیان مغائرت پیدا کرنے میں کامیابی ہوئی اور معاملات بحران کی حد تک پہنچ گئے۔ (۱۴۳) ان سب سے زیادہ ترکن خاتون کی مخالفت کارگر ثابت ہوئی۔

ترکن خاتون کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا محمود (۱۴۴) ولی عہد قرار دیا جائے۔ بغیر اعانت خواجہ کے یہ امر محال تھا۔ جبکہ نظام الملک بڑے لڑکے برکیاروق (۱۴۵) کا حامی تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ برکیاروق میں علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار موجود ہیں۔ لہذا خواجہ نے ملک شاہ سے محمود کی ولی عہدی کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ترکن خاتون، خواجہ سے سخت ناراض ہوگئی اور ہر وقت خواجہ کی فکر میں رہنے لگی۔ (۱۴۶) مگر جب اسے برائی کا کوئی پہلو نہیں ملا تو اس نے سلطان سے کہا: ''نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو آئمہ اثنا عشریہ کی طرح تمام ملک پر حکمران کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں'' (۱۴۷) ملکہ کا یہ فقرہ کارگر ہو گیا اور یہی خواجہ کے زوال کا سبب بنا۔ خواجہ نظام الملک بھی یہ جانتا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اس کے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جس سے انجام بخیر ہونے کی اس نے خدا سے دعا مانگی تھی:

''ایں سخن در باطن سلطان تاثیر کردہ انشاء اللہ تعالیٰ محمود العاقبۃ باشدو بخیر بگذرد''

جس کی تصدیق کتاب الوصایا سے ہوتی ہے۔

سلطان کی کدورت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خواجہ نظام الملک خلفائے عباسیہ کا بڑا حامی تھا۔ خلفاء بھی خواجہ کے فضل وکمال اور اقتدار وزارت کی وجہ سے اس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں جب

خواجہ ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا تو عباسی خلیفہ مقتدی بامراللہ (۴۶۷ھ/ ۱۰۷۴ء۔۴۸۷ھ/ ۱۰۹۴ء) نے خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ:

''یاحسن بن علی رضی اللہ عنک برضا امیر المومنین عنک''

''اے حسن! تجھ سے خدا بہت خوش ہوگا، کیونکہ امیر المومنین تجھ سے رضا مند ہیں۔''

خواجہ نے یہ مژدہ سن کر عرض کیا کہ ''خداوند تعالیٰ امیر المومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے۔'' (۱۴۸)

جب ملک شاہ کو اس قرب و اختصاص کی اطلاع ملی تو اس کو بہت ناگوار گزرا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا مگر خواجہ، ملک شاہ کو ہمیشہ اس بات سے روک دیا کرتا تھا۔(۱۴۹)

ملک شاہ اور نظام الملک کے درمیان، ترکن خاتون اور تاج الملک کے اکسانے کی وجہ سے تعلقات خراب تر ہوتے جارہے تھے۔ تاج الملک نے سلطان کے سامنے نظام الملک پر اقربا پروری کا الزام لگایا اور کہا کہ وہ فوج پر فضول روپیہ خرچ کر رہا ہے۔(۱۵۰)

۴۸۵ھ میں خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ عثمان بن جمال الملک، سلطان ملک شاہ کے ایک منظور نظر قتموون کے ساتھ سختی سے پیش آیا تو سلطان کا غصہ اور بڑھا۔(۱۵۱)

سلطان نے بے حد اسراف اور اقربا پروری کی کارروائیوں کا باضابطہ جواب نظام الملک سے طلب کیا اور طنزاً دریافت کیا کہ آیا وہ بادشاہت میں شریک ہے یا وزیر ہے؟ اور شکایت کی کہ اس کے رشتہ دار نہ صرف حکومت کے امیر ترین عہدوں پر فائز ہیں بلکہ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ناقابل برداشت تکبر برتتے ہیں۔(۱۵۲)

بوڑھے وزیر کو ایسے شخص کی طرف سے، جس پر اس کے بہت احسانات تھے، سخت تکلیف پہنچی اور اس نے جلد بازی میں یہ کہا کہ: ''جس نے آپ کے سر پر تاج رکھا، اسی نے میرے سر پر دستارِ وزارت رکھی اور یہ دونوں ایکدوسرے سے کبھی علیحدہ اور جدا نہ ہونے کے لیے منسلک ہیں۔''

''آں کہ ترا تاج داد، دستار بر سر من نہاد، ھر دو درھم بستہ و باھم پیوست۔'' (۱۵۳)

ان الفاظ کا یہ مطلب لیا گیا کہ بادشاہت اس کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکے گی۔ نظام الملک ٹھنڈے دل سے کہتا تو یہ الفاظ کبھی نہ کہتا، مگر ظاہر ہے وہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آچکا تھا۔ بعد میں جب خواجہ کا غصہ دھیما ہوا تو اسے اپنے جواب کا افسوس بھی ہوا۔(۱۵۴) بہر حال، اس کے الفاظ خاصے بڑھا چڑھا کر سلطان کے کانوں تک پہنچائے گئے۔(۱۵۵) کہا جاتا ہے کہ سلطان نے طیش میں آکر خواجہ کو معزول کر دیا اور تاج الملک کو اس کی جگہ وزیر بنا دیا۔ (۱۵۶) تاہم اغلب یہ ہے کہ اگرچہ سلطان کی نظام الملک کی طرف سے بے اطمینانی ایک حقیقت تھی، لیکن بات معزولی

تک نہیں پہنچ سکی تھی۔(۱۵۷)

دی کیمبرج ہسٹری آف ایران کا یہ فیصلہ درست معلوم ہوتا ہے کہ:

''تاج الملک ابوالغنائم کو بطور ملک شاہ کے وزیر، اس (نظام الملک) کا جانشین مقرر کیا گیا تھا، لیکن وہ (تاج الملک) ملک شاہ کی وفات سے پہلے عہدہ سنبھال نہیں سکا تھا۔''(۱۵۸)

ابن خلکان نے بھی لکھا ہے کہ نظام الملک کی موت کے بعد تاج الملک ابوالغنائم کو وزارت ملی۔(۱۵۹) قدیم ترین ماخذ میں سے ایک انوشیروان بن خالد نے نظام الملک کی منصب وزارت سے معزولی کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔(۱۶۰)

حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک اپنی شہادت تک اپنے منصب پر قائم رہا۔ اگر تاج الملک وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال چکا ہوتا تو وہ حسن بن صباح کے ساتھ مل کر نظام الملک کے قتل کی سازش نہ کرتا۔ تاج الملک پر نظام الملک کے قتل کا محرکہ ہونے کا شبہ عام تھا۔(۱۶۱) کیونکہ بقول بوائل:

''وزیر (نظام الملک) کے درباری دشمنوں نے حشیشین کے ساتھ مل کر قتل کی سازش تیار کی''۔(۱۶۲)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر نظام الملک کو اس کی زندگی میں ہی معزول کر دیا گیا ہوتا تو اس کا ملک شاہ کی ہمرکابی میں بغداد کا سفر بے معنی ہوتا۔

قتل خواجہ نظام الملک:

رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ جب نصف مسافت طے ہوگئی تو چند روز کے لیے ملک شاہ نے نہاوند (۱۶۳) میں قیام کیا۔

طبقات الشافعیہ الکبریٰ کی روایت ہے کہ ۱۰ رمضان المبارک (بمطابق ۱۴ا کتوبر ۱۰۹۲ء) پنجشنبہ کے دن خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی بعد نماز دستر خوان پر بیٹھا۔ اس کے قریب فقہاء، قراء، صوفیاء اور اہل حوائج کثیر تعداد میں موجود تھے۔(۱۶۴) اس کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی اور حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ کو پہنچا تو کہا: یہی وہ مقام ہے جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی۔

طوبیٰ لمن یلحق بھم(۱۶۵)

(وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو ان سے ملیں)

اسی اثناء میں ایک دیلمی نوجوان جو ایک صوفی کا بھیس بدل کر بظاہر ایک مستغیث کی حیثیت سے آیا تھا، خواجہ کے قلب میں چھری گھونپ کر قتل کر دیا۔(۱۶۶) یہ نوجوان ایک اسماعیلی فدائی تھا، جس کا نام ابوطاہر حارث (بوطاھیہ ارانی)

تھا،(۱۶۷) جسے خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، اگرچہ کہ خواجہ نے مرنے سے پہلے قاتل کو معاف کر دیا تھا اور اسے قتل کرنے سے منع کیا تھا۔(۱۶۸)

باور کیا جاتا ہے کہ یہ قتل اہلسنت پر حسن بن صباح کے حشیشین کا پہلا کھلا وار تھا۔(۱۶۹) خواجہ پر حملہ ہوتے ہی لشکر میں کہرام مچ گیا اور جب یہ خبر ملک شاہ تک پہنچی تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سرہانے آن کر بیٹھ گیا۔(۱۷۰) اہل اصفہان نے محلّہ کران (۱۷۱) کے قبرستان میں دفن کیا۔ اور زمانہ دراز تک یہ مقام ''تربت نظام'' کے نام سے مشہور رہا۔

وہ شان وشوکت جو پہلے تین سلجوقی سلاطین کی حکمرانی سے وابستہ تھی، ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں نظام الملک کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ خواجہ کے قتل کے ایک ماہ بعد ۱۵ شوال ۴۸۵ھ/۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء کو بمقام بغداد ملک شاہ کا بھی انتقال ہوگیا (۱۷۲) اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ:

''جب میرے سامنے سے دوات اٹھالی جائے گی تو ملک شاہ کے سر سے تاج بھی اٹھ جائے گا۔''

☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ء، ج ۲، ص ۱۲۸۔ ابن خلکان نے عبدالکریم بن محمد السمعانی کی ''کتاب الانساب'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ خواجہ حسن کا وطن رادکان ہے، یہ طوس کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس نے نظام الملک کے مولد کی حیثیت سے شہرت پائی۔

۲۔ طبقہ پیش دادیاں کے چوتھے تاجدار شہنشاہ جمشید پیش دادی نے شہر طوس کی بنیاد ڈالی۔ کیانیوں کے عہد حکومت تک یہ شہر برباد ہو چکا تھا۔ جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ میں آئی تو کیخسرو کے سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے از سرنو اس شہر کو آباد کیا اور طوس نام رکھا۔ اپنے عروج کے زمانے میں طوس دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طابران اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ ابوعبداللہ یاقوت الحموی کے مطابق طوس چار شہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن میں دو شہر بڑے تھے اور دو چھوٹے۔ (مگر اس نے مذکورہ بالا کے علاوہ دو حصوں کے نام نہیں لکھے) تفصیلات کے لیے دیکھئے: نظام الملک طوسی از عبدالرزاق کانپوری، حصہ اول ''طوس کی مختصر تاریخ''۔

۳۔ تاج الدین ابی النصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، ت ن، ج ۳، ص ۱۳۶

۴۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۳۰

۵۔ سلطان چغر بیگ داؤد بن میکائل بن سلجوق، طغرل بیگ کا بھائی اور خاندان سلجوق کی بنیاد رکھنے میں اس کا شریک تھا۔ ۱۰۶۰ء میں چغری بیگ کا انتقال ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷، ص ۶۶۷)

۶۔ عبدالرزاق کانپوری، ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۶۰ء، ص ۵۱۔ بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۷۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۴۷

۸۔ ایضاً، ص ۴۵

۹۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۴۸۔ بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ابی الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن اثیر، ''الکامل فی التاریخ''، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۶ء، ج ۶، ص ۳۳۶

۱۲۔ Edward G. Browne, A Literary History of Persia, Vol II, Cambridge, 1964, p . 175

۱۳۔ سبکی، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۶۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۱۵۔ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، ''البدایۃ والنھایۃ فی التاریخ''، مطبعۃ السعادۃ مصر، ت ن، ج ۱۲، ص ۲۸۲

۱۶۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۱۔ بحوالہ: دستور الوزراء، نسخہ قلمی، ص ۷

۱۷۔ نام عمر، غیاث الدین لقب، ابوالفتح کنیت، اور خیام تخلص ہے۔ ایران کا نامور حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہے۔ عمر خیام ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ میں اپنے وطن نیشاپور میں پیدا ہوا۔ حکیم بوعلی سینا کے بعد فلسفہ وحکمت میں اسی کا درجہ ہے اور ریاضیات میں تو کوئی حکیم اس کا ہمسر نہیں ہے۔ علم طب میں بھی وہ کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ علم لغت، فقہ، تاریخ، قرات وتفسیر سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں ابھرنے نہیں دیا۔ لیکن عمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا۔ اور شہرت دوام پائی۔ خیام کے سال وفات میں بہت زیادہ اختلافات ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نے ۵۲۶ھ میں وفات پائی ہے۔ (مولانا عبدالسلام ندوی، ''حکمائے اسلام''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ج ۲، ص ۱۔۲)

۱۸۔ حسن بن صباح، فرقہ حشیشین کا بانی، اس کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں، لیکن جب اسے فاطمی دعوت کی تبلیغ میں سعی کرنے پر مائل کیا گیا تو وہ نوجوان تھا۔ اس وقت ایران میں داعی اعظم عبدالملک ابن عطاش تھا جو سلجوق صوبوں میں سب سے بڑا داعی تھا۔ ابن عطاش نے اسے ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء۔۱۰۷۲ء میں اپنا نائب مقرر کیا۔ ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء۔۱۰۷۷ء میں اسے مصر بھیجا گیا تربیت کے لیے، جہاں وہ تقریباً تین سال رہا۔ ایران واپس آتے ہوئے اس نے اسمٰعیلی مفاد کے لیے وسیع وعریض علاقے کا سفر کیا۔ ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء۔۱۰۹۱ء میں اس نے دیلمان میں رودبار میں الموت کے چٹانی قلعے پر، وہاں پر متعین محافظ دستے میں سے اسمٰعیلیوں کی مدد سے قبضہ کر لیا۔ سلجوقی حکومت کے خلاف اسمٰعیلیوں کی عام بغاوت میں یہ پہلی شورش تھی، جس میں قلعوں پر قبضہ کرنے اور اہم دشمنوں کو قتل کرنے پر زور دیا گیا۔ جن لوگوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اس فہرست میں نظام الملک کا نام سر فہرست تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اسمٰعیلیوں نے جس طرح منظم طور پر ان وارداتوں کا آغاز کیا اس سے لوگوں میں ایک خاص قسم کی دہشت پھیل گئی۔ ابتدائی دور میں اسمٰعیلی خصوصاً حسن بن صباح کے پیروکار اسمٰعیلی عام آبادی کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے، اور اصول تقیہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے باطنی معتقدات کو لوگوں سے چھپائے رکھتے تھے۔ کسی قاضی یا امیر سے نجات حاصل کرنے کے لیے جن اسمٰعیلیوں کو نامزد کیا جاتا تھا وہ انتہائی فداکاری کے ساتھ اپنے شکار کا پیچھا کرتے اور انجام کار اسے برملا قتل کر ڈالتے۔ ملک شاہ کی وفات (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے بعد انھیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ حسن بن صباح رودبار میں ایک قائد کی حیثیت سے، وہاں متعدد قلعوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء کے بعد محمد بن ملک شاہ کے عہد میں، سلجوقی فوجوں نے اصفہان کے نزدیک ابن عطاش کے بیٹے کے صدر دفاتر سمیت بہت سے قلعے واپس لے لیے لیکن الموت میں حسن کا مورچہ بہت مضبوط قلعہ ثابت ہوا، جو مسلسل سلجوقی حملوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ۵۱۱ھ/۱۱۱۸ء میں الموت کا بڑا محاصرہ محمد بن ملک شاہ کی وفات پر ٹوٹ گیا۔ اس وقت تک حسن بن صباح کو ابن عطاش کی موت کے بعد حشیشین کا داعی اعظم تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں حسن بن صباح، کیا بزرگ رودباری کو اپنا جانشین بنانے کے بعد فوت ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۸، ص ۲۴۶ تا ۲۴۸، نیز دیکھیے: ج ۳، ص ۱۹۶)

۱۹۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳

۲۰۔ رشید الدین فضل اللہ، جامع التواریخ، لندن، ۱۹۱۰ء، ص ۶۷

۲۱۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۴

۲۲۔ بخارا عالم اسلام اور وسط ایشیا میں بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن کا عظیم الشان مرکز جو دریائے زرافشان کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع تھا، آجکل ازبکستان میں شامل ہے، اس عہد میں دار العلوم تھا اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا آیا کرتے تھے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۱۱۰)

۲۳۔ فضل اللہ نام اور ابو سعید کنیت ہے۔ آپ کے والد کا نام ابو الخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ شیخ کے والد ابو الخیر علم نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے اور جنگل سے بوٹیاں لا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ شیخ ابو سعید علوم ظاہری میں کامل اور حدیث، فقہ، تفسیر میں بے مثل تھے، اکثر اوقات کتب تصوف کے مطالعہ میں مشغول رہا کرتے تھے، ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشاپور ۴۴۱ھ/جنوری ۱۰۴۹ء میں انتقال ہوا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۴۔۵۵)

۲۴۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۵۔۵۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۵۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۵۸

۲۷۔ عبدالرشید ابن محمود غزنوی، غزنوی خاندان کا نواں حکمران تھا، جس کا مؤسس سبکتگین تھا، جو سامانیوں کا جرنیل اور صوبہ دار تھا۔ علی مسعود کی معزولی کے بعد مئی ۱۰۴۹ء میں عبدالرشید بن محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ ۱۰ شوال ۴۴۳ھ/۱۴ فروری ۱۰۵۳ء کو قتل کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/۲، ص ۵۱۷)

۲۸۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۳۷

۲۹۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۸

۳۰۔ نامور مدبر خواجہ ابو علی احمد بن شاذان طغرل بیگ سلجوقی کا ملازم تھا، ایک عرصے تک بلخ میں گورنر رہا۔ اخیر عمر میں طغرل بیگ کا وزیر بھی ہو گیا تھا۔ لیکن کبرسنی کے باعث وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کہا جائے۔ چنانچہ خواجہ عبدالملک ابو نصر کندوری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوتا تھا تو خواجہ ابو علی کو دعائے خیر سے یاد کرتا تھا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۸)

۳۱۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۹

۳۲۔ خواجہ کی روایت ہے کہ جب میرے پاس کچھ سرمایہ جمع ہو جاتا تو ابن شاذان مجھ پر جرمانہ کر کے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اس کا ایک معمولی فقرہ تھا کہ "حسن اب تو تم خوب فربہ ہو گئے ہو" غرض کہ ہر سال یونہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ "کاتب کو صرف قلم کافی ہے"۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۹۔ بحوالہ: گنج دانش، ص ۳۵۰

۳۳۔ الپ ارسلان عضد الدولہ محمد بن داؤد چغری بیگ، مشہور سلجوقی سلطان اپنے خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا۔ ۱۰۷۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

۳۴۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ۳۳۷

۳۵۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۵۹

۳٦۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۳٦

۳۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳٦۵

۳۸۔ ابونصر محمد بن منصور بن محمد، الملقب عمید الملک الکندری، جو دوسخاوت اور کتابت وشہامت میں مروز مانہ تھا۔ سلطان طغرل بیگ نے اسے اپنا وزیر بنایا۔ اس نے اس کے ہاں بلند مرتبہ اور جلیل القدر مقام حاصل کرلیا۔ یہ اس حکومت کا پہلا وزیر تھا۔ طغرل بیگ کے بعد الپ ارسلان نے حکومت سنبھالی اور اسے اس کے منصب پر قائم رکھا۔ ابونصر الکندری، اشاعرہ سے بہت تعصب رکھتا تھا۔ اپنے تعصب میں وہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نے خراسان کے منابر پر روافض پر لعنت کرنے کے بارے میں الپ ارسلان سے گفتگو کی اس نے اس کے بارے میں اجازت دے دی، تو اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے ساتھ اشعریہ کو بھی ملایا۔ جس کی بناء پر ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین جوینی وغیرہ نے خراسان چھوڑ دیا۔ محرم ۴۵٦ھ میں الپ ارسلان نے اسے معزول کردیا۔ ۱٦ ذی الحجہ ۴۵٦ھ کو اس کا قتل ہوا۔ (دیکھیے: ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۸۔۱۴۲)

۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳٦۵

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ۲۲۲

۴۳۔ A Literary History of Persia , p. 174

۴۴۔ رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۲۲

۴۵۔ ابن اثیر، ج ٦، ص ۲۲٦

۴٦۔ رضوان علی رضوی، ص ۲۲

۴۷۔ A Literary Historyof Persia, p. 175

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۷٦

۵۰۔ ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۷۲

۵۱۔ عبدالرزاق کانپوری، ، ص ۱۴۳

۵۲۔ بیہقی، ابوالحسن علی بن زید، تاریخ بیہقی، انتشارات فروغی، تہران، طبع دوم، ص ۱۷۴

۵۳۔ راوندی، محمد بن علی بن سلیمان، راحۃ الصدور وآیۃ السرور، لائیڈن، ۱۹۲۱ء، ص ۱۳۲

۵۴۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۴

۵۵۔ بعض مخلص دوستوں نے نظام الملک سے کہا کہ ممکن ہے کبھی اختیارات کی ایسی تقسیم سلطان کو ناگوار گزرے۔ لیکن نظام الملک نے جواب میں کہا کہ اگر ایسے با اختیار عہدوں پر غیر لوگ مسلط کردیئے جائیں تو جو نتیجہ ہوگا، وہ میں جانتا ہوں۔ (اردو دائرہ معارف

اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۶)

۵۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۲۰۳

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۶۰

۵۹۔ ایضاً، ص ۴۶۵

۶۰۔ ایضاً، ص ۴۷۷

۶۱۔ ایضاً، ص ۳۵۴

۶۲۔ ایضاً، ص ۳۷۱

۶۳۔ ایضاً، ص ۲۸۴

۶۴۔ ایضاً، ص ۲۸۵

۶۵۔ ایضاً، ص ۳۴۴

۶۶۔ ایضاً، ص ۳۵۴

۶۷۔ ایضاً، ص ۳۷۱

۶۸۔ ایضاً، ص ۵۸۹

۶۹۔ ایضاً، ص ۴۷۷

۷۰۔ ایضاً، ص ۵۰۲

۷۱۔ ایضاً، ص ۵۰۶

۷۲۔ جلال الدین عمید الدولہ ابی علی الحسن بن ابی العز علی بن صدقہ، عباسی خلیفہ مسترشد باللہ کا وزیر تھا۔ وزیر مذکور نے رجب ۵۲۲ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۶۴)

۷۳۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۵۸۲

۷۴۔ ایضاً، ص ۵۸۹

۷۵۔ ایضاً، ص ۵۹۰

۷۶۔ ایضاً، ص ۳۵۲

۷۷۔ ابوالحسن علی بن زید، ''تاریخ بیہق''، تصحیح: احمد بہمیار، انتشارات فروغی، طبع دوم، تہران، ص ۷۴

۷۸۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۱۴۵

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ تاریخ بیہق، ص ۷۴

۸۱۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۱۳۱

۸۲۔ اس بارے میں مشہور شاعر شریف ابویعلی ابن الھباریہ کہتا ہے:

قل للوزیر ولا تفزعک هیبته

وان تعاظم واستولی لمنصبه

لولا ابنة الشیخ ما استوزرت ثانیة

فاشکر حراً صرت مولانا الوزیر به

وزیر سے کہہ اسکی ہیبت تجھے خوفزدہ نہ کرے، اگر چہ وہ بڑا ہو گیا ہے اور اپنے منصب پر قابض ہو گیا ہے۔اگر شیخ کی بیٹی نہ ہوتی تو تو دوسری بار وزارت حاصل نہ کرتا، پس تو شریف آدمی کا شکر ادا کر جس کے باعث تو ہمارا آقا وزیر بن گیا ہے۔ (ابن خلکان، ج ۵ ص ۱۳۲)

۸۳۔ ابن خلکان، ج ۵ ص ۱۳۴

۸۴۔ اقبال آشتیانی، ''وزارت در عہد سلاطین بزرگ سلجوقی، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۳۸ء، ص ۸۱

۸۵۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۱۴۷

۸۶۔ ابن خلکان، ج ۵ ص ۲۵۷

۸۷۔ ایضاً ص ۲۵۸

۸۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲ ص ۳۷۵

۸۹۔ ابن اثیر، ج ۶ ص ۳۳۷

۹۰۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۶۸

۹۱۔ ابن خلکان، ج ۲ ص ۱۲۹

۹۲۔ سبکی، ج ۳ ص ۱۴۰

۹۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲ ص ۳۷۶

۹۴۔ امیر معزی نامور شاعر عبدالملک سمرقندی کا بیٹا تھا۔اصلی نام محمد تھا۔عبدالملک چونکہ خود صاحب فضل وکمال تھا۔اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم وفنون کے لیے خراسان بھیج دیا۔یہاں کی درسگاہوں سے بحیثیت طالب علم محمد نے استفادہ کیا۔عبدالملک ابتدأ سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار سے متعلق تھا۔لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملازم ہو گیا۔جب عبدالملک سمرقندی کا انتقال ہوا تو سلطان نے اس کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا۔جلد ہی ملک شاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجہ اعلیٰ پر پہنچ گیا امیر معزی نے ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں بمقام مرو انتقال کیا۔(عبدالرزاق کانپوری، ص ۳۴۹۔۳۵۰)

۹۵۔ حکیم لامعی جرجان کا باشندہ تھا۔ابتدائے حال میں وطن سے خراسان آیا اور امام غزالی سے کسب فیض کیا۔سلطان سنجر کے زمانے میں بمقام سمرقند انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوا۔(محولا بالا ص ۳۶۰۔۳۶۱)

۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲ ص ۳۷۵

۹۷۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۱

۹۸۔ نظامی عروضی، چہار مقالہ، طہران، ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء، ص ۸۹

۹۹۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۰

۱۰۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۵

۱۰۱۔ دولت شاہ سمرقندی، ''تذکرۃ الشعراء''، تحقیق: محمد عباسی، انتشارات بارانی، تہران، ۱۳۳۷ء، ص ۲۷

۱۰۲۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۲

۱۰۳۔ ایضاً، ملاحظہ ہو ص ۷۲ تا ۷۵

۱۰۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۳

۱۰۵۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۶

۱۰۶۔ نظام الملک، سیاست نامہ، مترجمہ: محمد منور، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۲

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ رضوان علی رضوی، نظام الملک طوسی، ص ۳۹

۱۰۹۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔۱۴۰

۱۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۴

۱۱۳۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۷۶

۱۱۴۔ ایضاً

۱۱۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۴

۱۱۶۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ''دستور الوزراء'' مترجمہ: عبدالرزاق کانپوری، مشمولہ ''نظام الملک طوسی'' ص ۲۹۳ تا ۳۷۴

۱۱۷۔ نظام الملک شافعی المذہب تھا اور سخت متعصب مگر اس تعصب سے وہ بغض وعداوت اور نفرت مراد نہیں ہے جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے۔ بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔ طغرل بیگ کے وزیر عمید الملک کندری نے اپنے عہد وزارت میں سلطان کی اجازت سے یہ حکم جاری کیا کہ ''روافض پر لعنت کی جائے''۔ اور جب تمام ملک میں اس پر عمل درآمد ہو گیا تو ''اشاعرہ'' کی نسبت بھی یہی حکم دیا۔ عمید الملک کی اس متعصبانہ کاروائی سے ملک کے نامور آئمہ امام الحرمین، ابوالقاسم قشیری اور حافظ ابوبکر بیہقی وغیرہ ناراض ہو کر ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ ''اشاعرہ اور روافض پر جو لعن کی جاتی ہے وہ نہ کی جائے''؛ جس کے بعد یہ علماء اپنے وطن واپس لوٹے۔ (ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۳۷)

۱۱۸۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۷

۱۱۹۔ الشریف ابویعلی محمد بن محمد بن صالح، المعروف بابن الھباریہ، الملقب نظام الدین بغدادی، مشہور شاعر تھا۔ عمدہ شعر کہتا تھا لیکن بہت ہجو گو اور لوگوں کی عیب گیری کرنے والا تھا، کوئی شخص اس کی زبان سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ نظام الملک کے دربار سے وابستہ تھا۔ نظام الملک نے اس پر مسلسل نوازشات وانعامات کیے۔ ایک مدت تک اصبہان میں قیام کرنے کے بعد یہ کرمان چلا گیا اور وہیں ۵۰۴ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ (ابن خلکان، ج ۴، ص ۴۵۳۔۴۵۷)

۱۲۰۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۴۵۳۔۴۵۴

۱۲۱۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۶۱

۱۲۲۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۲۸

۱۲۳۔ ایضاً

۱۲۴۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۲۸

۱۲۵۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۷

۱۲۶۔ ایضاً

۱۲۷۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۱۸

۱۲۸۔ آثار الوزراء، سیف الدین بحوالہ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۳۶

۱۲۹۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۳۶

۱۳۰۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۲۳۷

۱۳۱۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۰

۱۳۲۔ ایضاً ص ۱۳۷۔۱۳۸

۱۳۳۔ ایضاً ص ۱۳۸

۱۳۴۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۶

۱۳۵۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۳۶۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۴

۱۳۷۔ ایضاً

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۸

۱۴۰۔ دیوان الانشاء والطغرا سلجوقی عہد کے ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے ماتحت ہوتا تھا۔

۱۴۱۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۸۔۱۴۹

۱۴۲۔ ترکن خاتون جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عمادالدولہ طفقاج خان ابوالمظفر ابراہیم ابن نصر ایلک کی بیٹی تھی۔ ۴۷۱ھ میں ملک شاہ نے اس سے عقد کیا۔ ملک شاہ اس کی کسی بات کو رد نہیں کرتا تھا۔ ملکی مشورہ میں بھی شریک رہتی تھی۔ ۴۸۷ھ/۱۰۹۶ء میں بمقام اصفہان انتقال کیا۔ (عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۴۹)

۱۴۳۔ رضوان علی رضوی، ص ۱۶۵

۱۴۴۔ محمود تمام ممکنہ امیدواروں میں سب سے کمسن تھا۔

۱۴۵۔ برکیاروق سلجوقی شہزادی زبیدہ خاتون کا بیٹا تھا جو یاقوتی بن چغری بیگ کی بیٹی تھی۔

۱۴۶۔ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۵۰۔۱۵۱

۱۴۷۔ نظام الملک کے بارہ بیٹے تھے جنہیں اس نے متعدد کلیدی عہدوں پر فائز کیا تھا تاکہ پوری سلطنت پر گرفت مضبوط رہے۔

۱۴۸۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۴۹۔ ایضاً

۱۵۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۲، ص ۳۷۰

۱۵۱۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۳

۱۵۲۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۵

۱۵۳۔ راوندی، محمد بن علی بن سلیمان، ''راحۃ الصدور وآیۃ الصدور''، لیدن، ۱۹۲۱ء، ص ۱۳۴

۱۵۴۔ میر خواند، میر محمد بن سید برھان الدین، ''تاریخ روضۃ الصفا''، چاپ پیروز، تہران، ۱۳۳۸ء، ص ۷۷

۱۵۵۔ A Literary History of Persia, P 185

۱۵۶۔ تاریخ روضۃ الصفاء، ص

۱۵۷۔ رضوان علی رضوی، ص ۳۰

۱۵۸۔ The Cambridge History of Iran, P, 263

۱۵۹۔ ابن خلکان، ج ۵، ص ۹

۱۶۰۔ The Cambridge History of Iran, P, 102

۱۶۱۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۶۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۱۶۳۔ نہاوند ۲۰ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام ''فتح الفتوح'' ہے۔ اس فوج کے سردار حذیفہ بن یمان تھے۔ اس جنگ میں تقریباً ۳۰ ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ (فتوح البلدان، ''فتح نہاوند'' ص ۵۲۳)

۱۶۴۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۶۵۔ ایضاً

۱۶۶۔ ایضاً

۱۶۷۔ A Literary History of Persia, P 185

۱۶۸۔ سبکی، ج ۳، ص ۱۴۲

۱۶۹۔ ایضاً

۱۷۰۔ ایضاً

۱۷۱۔ گنج دانش، ص ۳۵۰، بحوالہ عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۶۴

۱۷۲۔ ابن اثیر، ج ۶، ص ۳۳۸